پیغامِ سیرت!

صبر واستقامت اور موجودہ معاشرہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد!

صبر

صبر کے لغوی معنی ہیں تنگی میں روکنا، محبوس کرنا اور اپنے نفس کو ایسے کام سے روکنا جس کے کرنے سے عقل یا شرع منع کرے۔(۱)

مطلب یہ ہے کہ مزاج کے استقلال، اپنے نفس کو اضطراب و گھبراہٹ سے روکنے، اپنے مقصد میں ثابت قدم رہنے اور کسی بھی کام کو جم کر کرنے کا نام صبر ہے۔ اس لحاظ سے تحمل، بردباری، پامردی، دل کی مضبوطی اور اخلاقی جرأت وغیرہ سب صبر کے مفہوم میں داخل ہیں۔

قرآن و سنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں۔

۱۔ اپنے نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا۔

۲۔ اطاعت و عبادت کی پابندی پر مجبور کرنا۔

۱۔ راغب اصفہانی / المفردات / مصر، ۱۹۶۱ء / ص ۲۷۳،

۳۔ مصائب و آفات پر صبر کرنا، یعنی اگر کوئی مصیبت آئے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا اور اس کے ثواب کا امید وار ہونا۔(۱)

قرآن کریم کی اصطلاح میں انہیں لوگوں کو صابرین کہا جاتا ہے جو مذکورہ تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حشر کے روز ندا کی جائے گی کہ صابرین کہاں ہیں؟ تو وہ لوگ جنہوں نے تینوں طرح کے صبر پر قائم رہ کر زندگی گزاری ہو گی وہ کھڑے ہو جائیں گے اور ان کو بلا حساب جنت میں داخلے کی اجازت دیدی جائے گی۔(۲)

قرآن کریم میں صبر کا لفظ کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ مگر تھوڑے بہت فرق سے قطع نظر ہر مقام پر مقصود ایک ہی ہے۔ یعنی ثابت قدمی اور استقامت۔ چنانچہ ارشاد ہے،

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا۔ (۳)

اور اگر تم صبر و پرہیزگاری اختیار کرو گے تو ان کا مکر و فریب (ان کی شرارتیں) تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

پس دشمن کے مکر و فریب، اس کے حیلوں، تدبیروں اور اس کی شرارتوں سے محفوظ رہنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ ایسے مواقع پر صبر و تقویٰ کو اختیار کیا جائے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ O(۴)

بلاشبہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا (گناہوں سے پرہیز کرتا) اور (مصائب پر) صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر (و ثواب) ضائع نہیں کرتا۔

پس انسان پر دنیا میں آنے والی مصیبتیں اور آزمائشیں اس لحاظ سے اس کے لئے باعث رحمت ہیں کہ ان کی وجہ سے اس کی اخروی زندگی میں آسانی پیدا ہوتی ہے اور دنیوی زندگی کا فائدہ یہ ہے کہ مصائب و آلام پر صبر و ہمت سے کام لینے پر اجر و ثواب ملتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ دشمن سے آمنا سامنا ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلے سے پہلے کچھ دیر انتظار فرمایا یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے مسلمانوں

۱۔ مفتی محمد شفیعؒ / معارف القرآن / ادارۃ المعارف / کراچی، ۱۹۷۶ء / ج ۲ / ص ۳۹۴۔ ۲۔ ابن کثیر / تفسیر القرآن العظیم / مصر / ج ۱ / ص ۱۹۷۔ ۳۔ القرآن / سورۂ آل عمران / آیت ۱۲۰۔ ۴۔ القرآن / سورۂ یوسف / آیت ۹۰۔

کے درمیان کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: "اے لوگو! دشمن سے مڈ بھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو اور جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر کرو (ثابت قدم رہو) اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دشمن سے مقابلے کی تمنا کرنا اور شیخی بگھارنا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نہیں، لیکن اگر دشمن خود ہی لڑائی پر آمادہ ہو تو پھر پوری جوانمردی سے اس کے مقابلے میں ڈٹ جانا چاہئے۔

جب کسی کو کوئی صدمہ پہنچتا ہے تو صدمہ پہنچنے کے وقت اس صدمے کا زیادہ اثر ہوتا ہے پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صدمے کا اثر بھی جاتا رہتا ہے۔ اس لئے صبر وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے۔ اسی صبر کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں حضرت ابوامامہ کی روایت سے آیا ہے:

عن ابی امامة رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال یقول اللّٰه تبارك و تعالیٰ یا ابن ادم ان صبرت و احتسبت عند الصدمة الاولیٰ لم ارض لك ثواباً دون الجنة۔(۲)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اے ابن آدم! اگر تو نے صدمے کے شروع میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں تیرے لئے جنت سے کم بدلے پر راضی نہیں ہوں گا۔

کسی صدمہ سے طبعی طور پر دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا، قلب کی رقت اور اس جذبۂ رحمت کا لازمی نتیجہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت فرما رکھا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔ جو دل اس نعمت سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت سے محروم ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

عن اسامة بن زیدؓ قال ارسلت ابنة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الیه، ان ابنا لی قبض، فاتنا، فارسل یُقرئ السلام و یقول، ان

۱۔ امام مسلم / الصحیح / بیروت، ۱۹۸۰ء / ج ۳ / ص ۱۶۱۔ ۲۔ ابن ماجہ۔

اللّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ، وکل عندہ باجل مسمیٰ، فلتصبر و لتحسب، فارسلت الیہ تقسم علیہ لیا تینھا، فقام و معہ سَعْدُبْنُ عُبَادَۃ و معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت و رجال۔ فرفعی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الصبّی ونفسہ تتقعْقَعُ، ففاضت عیناہ۔ فقال سعد یا رسول اللّٰہ ماھذا فقال، ھٰذہ رحمۃ جعلھا اللّٰہ فی قلوب عبادہ وا نمایرحم اللّٰہ من عبادہ الرحماء۔ (۱)

حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا کر بھیجا کہ میرے بچے کا آخری دم ہے اور چل چلاؤ کا وقت ہے لہٰذا آپ تشریف لے آیئے۔ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں سلام کہلا بھیجا اور پیغام دیا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ جو کچھ کسی سے لے وہ بھی اسی کا ہے اور جو کچھ کسی کو دے وہ بھی اسی کا ہے اور ہر چیز کے لئے اس کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے پس چاہئے کہ تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمے کے اجر و ثواب کی طالب بنو۔ آپ ﷺ کی صاحبزادی نے پھر پیغام بھیجا اور قسم دی کہ آپ اس وقت ضرور تشریف لے آیئے سو آپ اٹھ کر چل دئے اور حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور کچھ اور لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہو لئے۔ پھر وہ بچہ اٹھا کر آپ کی گود میں دے دیا گیا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا پس (یہ حال دیکھ کر) آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس پر سعد بن عبادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رحمت کے اس جذبے کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے۔ پس اللہ کی رحمت انہی بندوں پر ہوگی جن کے

۱۔ بخاری / کتاب الجنائز، باب ۳۲، رقم ۱۲۸۴۔ ☆ مسلم / ج ۲ / ص ۴۵، رقم ۱۱۔ (۹۲۳)، ☆ ابو داؤد / السنن / بیروت، ۹۴ء / ج ۳ / ص ۱۳۵، رقم ۳۱۲۵۔

دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے لڑکے کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تعزیت نامہ بھیجا۔ اس تعزیت نامہ میں ہر اس مسلمان کے لئے تعزیت و نصیحت اور تسلی و تشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہنچے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اپنی مصیبتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایمان افروز تعزیت اور نصیحت سے سکون حاصل کرنا چاہئے اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنانا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط من محمد رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) الٰی معاذ بن جبل سلام علیك فانی احمد الیك اللّٰہ الذی لا الہ الاھو،امابعد! فا عظم اللّٰہ لك الاجر والھمك الصبر و رزقنا وایاك الشکر فان انفسنا واموالنا واھلنا من مواھب اللّٰہ الھنیئۃ وعواریہ المستودعۃ متعك اللّٰہ بہ فی غبطۃ وسرور و قبضہ منك باجر کبیر ۔ الصلوٰۃ والرحمۃ والھدیٰ ان احتسبتہ فاصبر ولا یحبط جزعك اجرك فتندم ۔ واعلم ان الجزع لایرد میتا ولاید فع حزنا وماھو نازل فکان قد، والسلام۔(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام۔ میں تم سے اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے بعد، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ کا اجر عظیم دے اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے اور ہمیں اور تمہیں نعمتوں پر شکر کی توفیق دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تمہیں اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی تو اپنی اس امانت کو اس نے

۱۔ ہیثمی / مجمع الزوائد / بیروت، ۹۴ء / ج ۳ / ص ۸۱، رقم ۳۹۵۶۔

تم سے واپس لے لیا اور وہ تمہیں اس کا بڑا اجر دینے والا ہے۔ اور اگر تم نے ثواب اور اللہ کی رضا کی نیت سے صبر کیا تو تمہیں اس کی رحمت و مہربانی اور اس کی طرف سے ہدایت (کی بشارت ہو)۔ سوائے معاذ! صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے اجر کو غارت کردے اور پھر تمہیں ندامت ہو اور جان لو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے دل کا رنج و غم دور ہوتا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے بلکہ یقیناً ہو چکا۔ والسلام۔

استقامت

اعتدال۔ ایک حالت پر قائم رہنا۔ ثابت قدم رہنا۔ درست ہونا۔ سیدھا کھڑا ہونا۔ مضبوط ہونا۔ قیمت لگانا۔ استقامت سیدھے راستے پر چلنے کو کہتے ہیں اور انسان کی استقامت یہ ہے کہ وہ سیدھے راستے کو اختیار کرے۔(۱)

ابن اثیر کے بقول، استقامت دوام اور ثابت قدمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (اگرچہ اس کے اور بھی معنی ہیں)۔(۲)

استقامت سے مراد ہے اعتدال، کسی طور پر حق سے منحرف نہ ہونا، کج راہی اختیار نہ کرنا، نہ اعتقاد میں، نہ اخلاق میں اور نہ اعمال میں۔ استقامت کا لفظ مختصر اور جامع ہے، تمام احکام شرعیہ کو حاوی ہے۔ ماموراتکی ادائیگی ہو یا منہیات و ممنوعات سے اجتناب، اگر یہ پابندی اور دوام کے ساتھ ہو تو استقامت کا لفظ اس کو محیط ہے۔(۳)

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسلام کے سلسلے میں مجھے کوئی ایسی بات بتادیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

قل امنت باللّٰہ فاستقم۔(۴)

کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر قائم رہو یعنی جمے رہو۔

۱۔ راغب / ص ۴۱۸۔ ۲۔ ابن الاثیر / النہایہ / قم، ایران / ج ۴ / ص ۱۲۵۔ ۳۔ قاضی ثناء اللہ عثمانی، پانی پتی / تفسیر مظہری / حیدر آباد دکن / ج ۸ / ص ۲۹۲۔ ۴۔ مسلم / ج ۱ / ص ۴۷، رقم ۶۲ (۳۸)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو اپنے ہر کام اور ہر حال میں استقامت پر رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلاَ تَطْغَوْا ط اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ o (۱)

پھر آپ بھی اس پر قائم رہئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ آپ کے ساتھ کفر چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے ہیں (وہ بھی) اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ بلاشبہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ (اللہ) سب دیکھ رہا ہے۔

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی دین کے راستے پر اسی طرح مستقیم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور جو لوگ کفر و شرک سے توبہ کر کے آپ پر ایمان لے آئے ہیں وہ بھی اس پر مستقیم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کریں کیونکہ وہ ان کے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ (۲)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحىٰٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ (۳)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ بیشک میں بھی تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں (البتہ فرق یہ ہے کہ) مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے سو تم اسی کی طرف مستقیم رہو اور اسی سے مغفرت طلب کرو۔

پس تمام عبادتوں اور توجہات کا مرکز وہی ذات واحد ہونی چاہئے جو تمام مخلوقات کی خالق و مالک اور قادر مطلق ہے۔ خالص توجہ کے ساتھ ہر آن اور ہر حال میں اسی کی اطاعت کرنی چاہئے، اس کی اطاعت سے کسی وقت بھی رخ نہیں موڑنا چاہئے۔

دین حق کی تبلیغ کے جرم میں جب عرب کی سرزمین مسلمانوں پر تنگ ہوتی جا رہی تھی اس وقت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اعلان حق اور اس پر استقامت کی

۱۔ القرآن / سورۂ ہود / آیت ۱۱۲۔ ۲۔ سید فضل الرحمٰن / احسن البیان فی تفسیر القرآن / زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۹۸ء / ج ۴ / ص ۳۵۵۔ ۳۔ القرآن / سورۂ حم سجدہ / آیت ۶۔

تاکید اس طرح فرمائی۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ۔ (۱)

پس آپ اللہ کی طرف بلاتے رہیے اور اس پر قائم رہیے۔ جیسا کہ آپ سے کہا گیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیے۔

پھر جو لوگ حق پر مستقیم اور ثابت قدم رہتے ہیں اور مخالفین کی مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کو خاطر میں نہیں لاتے، قرآن کریم نے ان کو ان الفاظ میں خوشخبری سنائی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان کو نہ ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

قیامت کے روز جب ہیبت سے لوگوں کے دل لرز رہے ہوں گے، اس وقت ان لوگوں کو دلی سکون اور اطمینان حاصل ہوگا اور وہ خوف ورنج سے مامون ہوں گے، جو دنیا میں حق پر مستقیم اور ثابت قدم رہے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○(۳)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) خوف اور غم نہ کھاؤ اور اس بہشت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

پس جن لوگوں نے دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اعتراف اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرلیا اور پھر مضبوطی سے اس پر جمے رہے اور مرتے دم تک استقامت کے ساتھ سیدھے راستے پر چلتے رہے تو قیامت کے روز فرشتے اللہ تعالیٰ کا پیغام رحمت لے کر ان پر اتریں گے اور ان کو بشارت دیں گے کہ تمہیں نہ تو عذاب کا اندیشہ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ گناہوں کا خوف کھانے کی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہ معاف کر کے تمہیں وہ جنت عطا فرمادے گا جس کا پیغمبروں

۱۔ القرآن / سورۂ شوریٰ / آیت ۱۵۔ ۲۔ القرآن / سورۂ احقاف / آیت ۱۳۔ ۳۔ القرآن / سورۂ حٰم سجدہ / آیت ۳۰۔

کے ذریعے دنیا میں تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

استقامت لفظ تو چھوٹا سا ہے مگر اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، کسب معاش اور اس کی آمد و صرف کے تمام ابواب میں اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حد[illegible] اندر اس کے بتائے ہوئے راستے پر سیدھا چلتا رہے۔ اگر ان میں سے کسی عمل اور کسی حال میں [illegible]ی ایک طرف جھکاؤ یا کمی یا زیادتی ہو جائے تو استقامت باقی نہیں رہتی۔

دنیا میں جتنی گمراہیاں اور خرابیاں آتی ہیں وہ سب اسی استقامت سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ مثلاً عقائد میں استقامت نہ رہے تو بدعات سے شروع ہو کر کفر و شرک تک نوبت پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات کے متعلق جو معتدل اور صحیح اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے، ان میں افراط و تفریط یا کمی بیشی کرنے والے خواہ نیک نیتی ہی سے اس میں مبتلا ہوں وہ گمراہ کہلائیں گے۔ جس طرح انبیا علیہم السلام کی عظمت و محبت کی مقررہ حدود میں کمی کرنے والے گمراہ اور گستاخ ہیں اسی طرح ان میں زیادتی اور غلو کر کے رسول کو خدائی صفات و اختیارات کا مالک بنا دینا بھی گمراہی ہے۔ یہود و نصاریٰ اسی گمراہی میں کھوئے ہوئے تھے۔ جس طرح عبادات اور تقرب الی اللہ کے لئے جو طریقے قرآن کریم اور اللہ کے رسول نے متعین فرما دیئے، ان میں ذرا سی کمی یا کوتاہی انسان کو استقامت سے گرا دیتی ہے۔ اسی طرح ان میں اپنی طرف سے کوئی زیادتی بھی استقامت کو برباد کر کے ان کو بدعات میں مبتلا کر دیتی ہے۔

اسی طرح معاملات و اخلاق و معاشرت کے تمام ابواب میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصولوں پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی تعلیم کے ذریعے ایک معتدل اور صحیح راستہ قائم کر دیا ہے، جس میں دوستی، دشمنی، نرمی، گرمی، غصہ اور بردباری، کنجوسی اور سخاوت، کسب معاش اور ترک دنیا، اللہ پر توکل اور امکانی تدبیر، اسباب ضروریہ کی فراہمی اور مسبب الاسباب پر نظر، ان سب چیزوں میں مسلمانوں کو ایک ایسا معتدل صراط مستقیم دیا ہے کہ عالم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ان کو اختیار کرنے سے ہی انسان، انسان کامل بنتا ہے اور استقامت سے ذرا گرنے ہی کے نتیجے میں معاشرے کے اندر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ (۱)

صبر اور استقامت کی مذکورہ بالا تفسیر و تشریح سے یہ بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ یہ

۱۔ مفتی محمد شفیع / معارف القرآن / ج ۴ / ص ۲۷۰۔

دونوں لفظ ایک دوسرے کے ہم معنی اور مترادف ہیں۔ انسانی زندگی کے دو پہلو نہایت اہم ہیں۔ ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی۔ جس طرح صبر واستقامت کی ضرورت انفرادی زندگی میں مسلم ہے اسی طرح انسان کی اجتماعی زندگی میں بھی اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

اہل ایمان کو مخاطب کر کے قرآن کریم میں، اللہ تعالیٰ نے صبر واستقامت کی اہمیت اس طرح بیان فرمائی۔

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۞ (۱)

اور صبر و نماز سے مدد حاصل کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یعنی جب بھی کوئی مشکل امر پیش آئے، کسی مصیبت کا سامنا ہو اور طبیعت پریشان ہونے لگے تو صبر واستقامت کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہنا چاہئے اور ہمت نہیں ہارنی چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی نماز میں مشغول ہو کر اپنی مشکلات اور پریشانیوں کا سدباب کرنا چاہئے۔ اس آیت کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی معیت کی خوشخبری سنائی ہے۔ جو اپنے مصائب اور پریشانیوں میں صبر واستقامت اور نماز سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات ہو پھر اس کو کسی چیز کی ضرورت وحاجت باقی نہیں رہتی۔ صبر واستقامت کے اجر وثواب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۞ (۲)

بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلاحساب ملے گا۔

یعنی صبر کرنے والوں کو ملنے والے بدلے اور اجر کی مقدار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ بندے کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ اس کا اجر اس کی توقع اور خیال سے بھی کہیں بڑھ کر ہوگا۔ صبر واستقامت سے کام لینے والوں کو دنیوی اور اخروی لحاظ سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب اس طرح اشارہ فرمایا ہے۔

عن صھیب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجبت من امر المؤمن، ان امر المؤمن کلہ لہ خیر، ولیس ذلک لا حد

۱۔ القرآن / سورۂ بقرہ / آیت ۱۴۵۔ ۲۔ القرآن / سورۂ زمر / آیت ۱۰۔

الا للمؤمن، ان اصابته سراء شکر کان ذلك له خیراً وان اصابته ضراء فصبر کان ذلك له خیراً۔ (۱)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی حالت بھی عجیب ہے، مومن کے لئے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ (سعادت) مومن کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اگر اسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ بات اس کے لئے بہتر ہوتی ہے۔ اگر اسے دکھ پہنچتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔

اسی طرح مومن کی صفات بیان کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن عمرو بن شعیب عن جده، قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول، خصلتان من کانتا فیه کتبه الله شاکراً صابراً ومن لم تکونا فیه لم یکتبه الله شاکراً ولا صابراً، من نظرفی دینه الی من هو فوقه فاقتدی به ونظرفی دنیاه الی من هو دونه فحمد الله علی مافضله علیه،کتبه الله شاکراً صابراً ومن نظرفی دینه الی من هو دونه فی دینه الی دینه الی من هو دونه و نظرفی دنیاه الی من هو فوقه فاسفه علی مافاته منه لم یکتبه الله شاکراً و لا صابراً۔ (۲)

دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے شاکر و صابر لکھ دیتا ہے۔ اور جس میں یہ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ اسے صابر و شاکر نہیں لکھتا۔ جو شخص دین میں اپنے سے برتر کو دیکھے اور اس کی پیروی کرے اور دنیا میں اپنے سے کمتر کو دیکھے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے زیادہ دیا ہے اس پر شکر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے صابر و شاکر لکھ دیتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص دین میں اپنے سے کمتر کو

۱۔ احمد بن حنبل / المسند / بیروت، ۹۳ء / ج ۵ / ص ۳۳۶، رقم ۱۸۴۵۵، ☆ مسلم / ج ۴ / ص ۳۹۸، رقم ۲۹۹۹۔ ۲۔ ترمذی / الجامع السنن، ☆ ابن ماجہ / السنن / کتاب الزہد / باب القناعۃ / رقم ۴۱۴۲،

دیکھے اور دنیا میں اپنے سے برتر کو دیکھ کر اپنی کمی پر افسوس کرے، اللہ تعالیٰ اسے شاکر و صابر نہیں لکھتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ان عظیم الجزاء مع عظیم البلاء، ان اللّٰہ تعالیٰ اذا احب قوماً ابتلاھم فمن رضافله الرضا ومن سخط فله السخط۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑی جزا بڑی آزمائش کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند کرتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے سو جو اس آزمائش پر اللہ سے راضی ہو (اس پر صبر کرے) تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور جو اسے ناپسند کرے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے۔

اور ارشاد ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنه۔ اَن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: یقول اللّٰہ تعالیٰ مالعبدی المؤمن عندی جزاء اذا قبضت صفیه من اھل الدنیا ثم احتسبه، الاالجنة۔ (۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے جس مومن بندے سے دنیا میں سے اس کی پسندیدہ چیز لے لیتا ہوں، اور وہ ثواب کی نیت سے اس پر صبر کرتا ہے، میرے پاس اس کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جایا کرے تو انااللہ پڑھا کرو کیونکہ یہ بھی مصیبت ہے۔ (۳)

حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز

۱۔ ترمذی / ج ۴ / ص ۱۷۸، رقم ۲۴۰۴۔ ☆ ابن ماجہ / کتاب الفتن / باب ۲۳، رقم ۴۰۳۱،
۲۔ یحییٰ بن شرف الدین نووی / ریاض الصالحین / بیروت، ۱۹۷۰ء / ص ۲۸، رقم ۳۲،　۳۔ مجمع الزوائد / ج ۳ / ص ۸۷،

جب دنیا کے مصیبت زدوں کو اجر و ثواب ملے گا تو جو لوگ یہاں (دنیا میں) آرام سے رہتے ہیں وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھال قینچی سے کاٹ دی جاتی ہے کہ ہمیں بھی نعمتیں ملتیں۔(۱)

عن ابی سعید الخدری و ابی هريرة رضی الله عنهما، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: یصیب المسلم من نصب ولا وصب، ولا هم وحَزَن، ولا اذی ولاغم، حتی الشوكة يشاكها، الا كفر الله بهامن خطاياه۔ (۲)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو جو رنج یا غم یا کچھ تکلیف پہنچتی یا مشکل پیش آتی ہے، حتی کہ اگر ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

احمد اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کے مقدر میں کوئی مرتبہ لکھا ہوا ہوتا ہے اور اس بندے کے اعمال ایسے نہیں ہوتے کہ وہ مرتبہ اسے ملے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن یا مال یا اولاد میں کچھ مصیبت پہنچا دیتا ہے۔ وہ اس پر صبر کرتا ہے اور اس صبر کی بدولت اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔(۳)

بیہقی نے شعب الایمان میں، ابن ابی حاتم اور طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اچھا بدل عطا فرماتا ہے اور اس کو اتنا دیتا ہے کہ وہ راضی ہو جاتا ہے۔(۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ صبر واستقامت کے بے مثال واقعات و حالات سے عبارت ہے۔ سنگین سے سنگین حالات اور انتہائی مشکل مواقع پر آپ نے تحمل و بردباری سے کام لیتے ہوئے صبر واستقامت کی بنا پر ہر طرح کے خطرات پر قابو پاکر حالات کو اپنے حق میں سازگار بنایا۔ ان میں سے چند واقعات یہ ہیں۔ یہ واقعات نہ صرف ہمارے لئے سبق آموز ہیں، بلکہ ہمیں موجودہ حالات میں بہترین رہنمائی بھی فراہم کرتے ہیں۔

۱۔ ترمذی، ۲۔ بخاری / ادب المفرد / ج۱ / ص ۵۸۲، رقم ۴۹۲، ۳۔ ابوداؤد / ج۳ / ص ۱۲۳،
۴۔ مجمع الزوائد / ج ۳ / ص ۷۷،

ا۔ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (۱) نازل ہوئی تو ایک روز آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ایک صاع غلہ، ایک بکری کی دست اور ایک پیالہ دودھ مہیا کر کے عبدالمطلب کے تمام خاندان کو جمع کرو۔ کم وبیش ۴۰ آدمی جمع ہوگئے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ وہ کھانا سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور کچھ بچ بھی گیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے کچھ فرمانے کا ارادہ کیا تو ابو لہب نے یہ کہکر سب کو اٹھا دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آج تمہارے کھانے پر جادو کر دیا ہے۔ ایسا جادو تو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ یہ سنتے ہی سب لوگ چلے گئے۔ اور آپ کو کچھ فرمانے کا موقع نہ ملا۔ آپ ﷺ نے نہایت صبر واستقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسرے دن پھر سب کو اسی طرح کھانے پر جمع فرمایا۔ کھانے سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی خیر و فلاح لے کر آیا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ عرب میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر اور افضل شے لایا ہو۔(۲)

۲۔ آپ ﷺ نے علانیہ دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھا اور آپ کھلم کھلا بت پرستی کی برائی کرنے لگے اور لوگوں کو کفر و شرک سے روکنے لگے۔ کفار آپ کی مخالفت کرتے رہے مگر آپ کے چچا ابو طالب آپ کے حامی و مددگار رہے۔ آخر قریش کے معززین جمع ہو کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ابو طالب آپ عمر میں بھی ہم سب سے بڑے ہیں آپ کی عزت و مرتبہ بھی ہم سب سے بلند ہے۔ ہم نے پہلے بھی آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روکیں، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ خدا کی قسم اب ہم اپنے معبودوں کی مذمت اور اپنے آباواجداد کی تذلیل پر صبر نہیں کر سکتے۔ اب یا تو تم ہمارے درمیان میں نہ پڑو، ہم خود سمجھ لیں گے یا پھر تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ غصے میں اٹھ کر چلے گئے۔

ابو طالب قوم کی گفتگو سن کر سخت پریشان ہوئے۔ جب آپ تشریف لائے تو ابو طالب نے کہا۔ اے پیارے بھتیجے تمہاری قوم کے لوگ جمع ہو کر میرے پاس آئے تھے اور یہ یہ باتیں کہہ کر

ا۔ القرآن، ۲۔ ابن کثیر / السیرۃ النبویہ / بیروت / ج ا / ص ۴۵۷، ☆ محمد بن یوسف الصالحی الشامی / سبل الہدیٰ والرشاد / بیروت، ۹۳ء / ج ۲ / ص ۳۲۳،

گئے ہیں، لہٰذا تم مجھ پر نا قابل برداشت بوجھ نہ ڈالو۔ چچا کی گفتگو سے آپ کو یہ خیال ہوا کہ اب یہ اپنے آپ کو کفار کے مقابلے میں کمزور محسوس کر رہے ہیں اس لئے میری حمایت سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا "اے چچا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھدیں اور یہ کہیں کہ میں احکام الٰہی کی تبلیغ چھوڑ دوں تو یہ نہیں ہو سکتا۔ یا تو خدا کا دین غالب ہو گا اور شرک و بت پرستی ختم ہو جائے گی یا پھر میں نہ رہوں گا اور ہلاک کر دیا جاؤں گا"۔ یہ کہہ کر آپ اٹھ کر چلدئے۔ ابو طالب پر آپ ﷺ کی استقامت کا اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے آواز دے کر آپ کو واپس بلایا اور کہا "اے پیارے بھتیجے تم جو چاہو کہو اور کرو میں تمہیں کبھی دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا"۔(۱)

۳۔ قریش کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کر کے اپنے ایک معزز سردار ابوالولید عتبہ بن ربیعہ کے ذریعے جو شعر گوئی، کہانت اور سحر میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، آپ ﷺ کو مال و سرداری وغیرہ کی پیش کش کی، چنانچہ عتبہ نے کہا۔

"اے میرے بھتیجے، نبوت کے دعوے سے اگر آپ کا منشا مال و دولت جمع کرنا ہے تو ہم سب مل کر آپ کے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ ہم میں سے کوئی بھی آپ کی برابری نہیں کر سکے گا۔ اگر آپ شرف و سرداری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ مقرر کر لیں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اگر آپ شادی کرنا چاہتے ہیں تو جس عورت سے یا جتنی عورتوں سے آپ چاہیں گے ہم شادی کر دیں گے۔ اگر آپ کو ان میں سے کسی چیز کی خواہش نہ ہو بلکہ یہ باتیں جنون کی وجہ سے ہوں تو ہم سب مل کر کسی کامل طبیب کو بلا کر آپ کا علاج کرائیں گے تاکہ آپ کو صحت ہو جائے، بعض اوقات بیماریاں سمجھ میں نہیں آتیں مگر کسی کامل طبیب سے علاج کرانے پر صحت ہو جاتی ہے"۔ عتبہ اپنی بات کر کے خاموش ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ "اے ابوالولید! کیا تم کہہ چکے جو کہنا چاہتے تھے۔" ابوالولید نے کہا کہ ہاں میں کہہ چکا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اب میں جو کہتا ہوں وہ سنو، مجھے نہ تمہارے مال و دولت کی ضرورت ہے اور نہ تمہاری بادشاہت و سرداری کی اور نہ میرے دماغ میں خلل ہے۔ مجھے اللہ نے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اور ایک کتاب مجھ پر اتاری ہے۔ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں برائی سے ڈراؤں اور

ا۔ ابن ہشام / السیرۃ النبویہ / بیروت ۱۹۷۸ء / ج ۲ / ص ۴، ☆ ابن سید الناس / عیون الاثر / مدینہ منورہ، ۹۲ء / ج ۱ / ص ۱۸۹،

بھلائی کی نصیحت کروں۔ میرا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے، اگر تم اس کو قبول کرو گے تو یہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کی سعادت و فلاح کا ذریعہ ہے اور اگر انکار کرو گے تو میں صبر کروں گا اور اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا۔ اس کے بعد آپ نے سورۂ حٰم سجدہ کی ابتدائی ۳۸ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ جو عتبہ نہایت محویت سے سنتا رہا۔

پھر عتبہ نے قریش کے سرداروں کے پاس جا کر ان سے کہا کہ میں نے ان کا کلام سنا ہے۔ خدا کی قسم میں نے ایسا کلام اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ واللہ نہ وہ شعر ہے اور نہ سحر ہے اور نہ کہانت، پس خدا کی قسم یہ کلام اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عنقریب اس کی ایک شان ہو گی۔(۱)

۴۔ اہل مکہ سے ناامید ہو کر، دعوت اسلام کی غرض سے آپ ﷺ شوال ۱۰ نبوی میں طائف تشریف لے گئے۔ اس سفر میں زید بن حارثہؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ طائف پہنچ کر آپ بنو ثقیف کے سرداروں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے پاس گئے۔ یہ تینوں عمیر کے بیٹے اور سگے بھائی تھے۔ آپ نے ان کو دعوت اسلام دی تو یہ حق بات سننے کی بجائے آپ کے ساتھ نہایت بے رخی اور بداخلاقی سے پیش آئے۔ اس کے بعد ان بدبختوں نے کچھ اوباش اور آوارہ لڑکوں کو اکسایا کہ وہ آپ کی ہنسی اڑائیں اور آپ پر پتھر برسائیں۔ چنانچہ ان کے پتھراؤ سے آپ ﷺ زخمی ہو گئے اور آپ کی پنڈلیوں سے خون بہنے لگا، جس سے آپ کے جوتے بھر گئے۔ جب آپ تکلیف کے سبب بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب بازو تھام کر آپ کو کھڑا کر دیتے اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، نازیبا کلمات کہتے اور تالیاں بجاتے۔ اس تمام عرصے میں زید بن حارثہ برابر آپ کو بچانے کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا تمام سر زخمی ہو گیا۔ پھر آپ نے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی اور ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے۔

آپ کی پریشانی دیکھ کر شیبہ اور عتبہ نے اپنے عیسائی غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا، ایک طبق میں انگور رکھ کر آپ کے پاس بھیجے۔ عداس نے انگور کا طبق آپ کے سامنے لا کر رکھا تو آپ نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ عداس نے حیرت سے کہا خدا کی قسم میں نے یہاں کے لوگوں کے منہ سے ایسا کلمہ نہیں سنا۔ پھر آپ نے عداس سے دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ اور تمہارا مذہب کیا ہے۔ عداس نے جواب دیا کہ میں عیسائی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔ جو

۱۔ ابن ہشام / ج ۲ / ص ۳۵، ☆ابن کثیر / البدایہ والنہایہ / بیروت، ۲۰۰۱ء / ج ۳ / ص ۶۹،

موصل کے قریب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مرد صالح حضرت یونسؑ کی بستی کے رہنے والے ہو۔ عداس نے کہا کہ آپ حضرت یونس کو کیسے جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی اور میری طرح اللہ کے نبی تھے۔ عداس نے کہا کہ آپ کا نام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ عداس نے کہا کہ میں نے توریت میں آپ کی صفت پڑھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ میں مبعوث فرمائے گا۔ اہل مکہ آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کو نکال دیں گے، پھر آپ کی مدد ہوگی اور آپ کا دین روئے زمین پر پھیلے گا۔ اس کے بعد عداس نے آپ کی پیشانی اور دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور مسلمان ہو گیا۔ عتبہ اور شیبہ یہ سب دیکھ رہے تھے اور آپس میں کہنے لگے کہ اس نے ہمارے غلام کو تو خراب کر دیا۔

جب عداس عتبہ اور شیبہ کے پاس واپس آیا تو انہوں نے کہا کہ عداس تجھے کیا ہوا کہ تو اس شخص کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دے رہا تھا۔ اس نے کہا کہ میرے سردارو! اس وقت روئے زمین پر ان سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔ عتبہ اور شیبہ نے کہا کمبخت ایسا نہ ہو کہ یہ آدمی تجھے تیرے مذہب سے پھیر دے کیونکہ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔ (۱)

بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ پر اُحد سے زیادہ سخت دن بھی آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ تیری قوم نے مجھے سخت سے سخت تکلیفیں دیں، لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جب میں نے طائف کے سفر کے دوران عبد یالیل اور اس کے بھائیوں پر اسلام پیش کیا اور انہوں نے قبول نہ کیا۔ میں وہاں سے بہت رنج و غم کے ساتھ واپس ہوا۔ قرن الثعالیب (اس کو قرالمنازل بھی کہتے ہیں اور یہ اہل نجد کی میقات ہے) میں پہنچا تو کچھ افاقہ ہوا، اس کے بعد میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے اور اس میں جبرائیل امین موجود ہیں۔ جبرائیلؑ نے مجھے آواز دی اور کہا کہ آپ کی قوم نے جو حرکتیں اور بدسلوکی آپ کے ساتھ کی ہے اللہ تعالیٰ نے وہ سب دیکھ لی ہے اور آپ کی خدمت میں ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) کو بھیجا ہے۔ آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔ اس کے بعد ملک الجبال نے مجھے سلام کیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، میں ملک الجبال ہوں اور تمام

۱۔ ابن ہشام / ج ۲ / ص ۱۷۳، ☆ عیون الاثر / ج ۱ / ص ۲۳۳،

پہاڑ میرے تصرف میں ہیں۔ آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں۔ اگر آپ حکم دیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو جن کے درمیان اہل مکہ اور اہل طائف رہتے ہین، ملادوں جس سے یہ تمام لوگ کچل کر ہلاک ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا جائے بلکہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں کریں گے۔ (۱) اس واقعہ کو استقامت کی معراج کہا جاسکتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کیا اس سے بڑھ کر استقامت کا مظاہرہ ممکن ہے۔

۵۔ غزوہ بدر میں جب ۳۱۳ بے سروسامان مسلمان، مشرکین کے ایک ہزار کے لشکر جرار سے معرکہ آرا تھے، جو ہر قسم کے سامان حرب وضرب سے لیس تھا اور اپنی قوت وکثرت پر نازاں تھا تو اس وقت مسلمان سمٹ سمٹ کر آپ کے پہلو میں آجاتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر قائم تھے۔

عن علی قال لما حضر البأس یوم بدر اتقینا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان من اشد الناس ماکان اولم یکن احد اقرب الی المشرکین منہ۔ (۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن جب معرکہ آرائی ہو رہی تھی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر پناہ لیتے تھے۔

۶۔ غزوہ احد کے موقع پر آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا تو سب نے حملے کی رائے دی، چنانچہ آپ ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر گھر میں تشریف لے گئے، پھر آپ ہتھیار لگا کر اور اوپر نیچے دو زرہیں پہن کر گھر سے بر آمد ہوئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی مرضی کے خلاف رائے دی یہ ہمارے لئے کسی طرح مناسب نہ تھا، آپ اپنی رائے پر عمل فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ کسی نبی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہتھیار لگانے کے بعد اللہ کے دشمنوں سے جنگ کئے بغیر ہتھیار اتار دے۔ اب اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ اور میں جو حکم دوں وہ کرو۔ جب تک تم ثابت قدم رہو گے تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ونصرت حاصل ہو گی۔ (۳)

۱۔ بخاری / مصر، ۱۹۵۳ء / ج ۲ / ص ۱۴۶، ☆ مسلم / ج ۳ / ص ۱۹۹، رقم ۱۱۱، (۱۷۹۵)، ۲۔ احمد / المسند / ج ۱ / ص ۲۰۳، رقم ۱۰۴۵، ۳۔ ابن سعد / الطبقات الکبریٰ / بیروت، ۷۹ء / ج ۲ / ص ۲۹

۷۔ غزوہ احد میں پہلے مسلمانوں کو فتح ہوئی جسے دیکھ کر مسلمان اس پہاڑی درہ کو چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، جس کو کسی قیمت پر نہ چھوڑنے کی آپ ﷺ نے ان کو تاکید فرمائی تھی۔ چنانچہ کافروں کی طرف سے خالد بن ولید نے درے کو خالی دیکھ کر مسلمانوں پر پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا جس سے ان میں بھگدڑ پڑ گئی اور اچھے اچھوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لوگ بدحواسی اور اضطراب کا شکار تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ثبات میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ بیہقی نے حضرت مقداد کی روایت سے لکھا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ اپنی جگہ سے ایک بالشت بھی نہیں ہٹے اور دشمن کے مقابلے پر رہے۔ صحابہؓ کی ایک جماعت کبھی آپ کے پاس (حفاظت کے لئے) آتی تھی اور کبھی جاتی تھی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اپنی کمان سے برابر تیر پھینک رہے تھے یہاں تک کہ دشمن آپ سے ہٹ گئے۔(۱)

۸۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ ذات الرقاع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ (واپسی میں) ایک سایہ دار درخت کے پاس پہنچ کر ہم نے اس درخت کو آپ کے آرام فرمانے کے لئے چھوڑ دیا۔ پھر مشرکین میں سے ایک شخص آیا۔ اس وقت آپ کی تلوار اس درخت پر لٹکی ہوئی تھی (اور آپ آرام فرما رہے تھے) اس نے آپ کی تلوار (درخت سے) اتار کر سونت لی اور کہنے لگا کہ آپ مجھ سے نہیں ڈرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا اللہ۔ پھر صحابہ کرامؓ نے آکر اس کو ڈرایا دھمکایا۔(۲)

۹۔ غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی اور ان کے ساتھ صرف ۳۶ گھوڑے تھے۔ جبکہ مشرکین کی تعداد دس سے پندرہ ہزار تھی۔ ان کے پاس سامان حرب بھی بہت زیادہ تھا۔ اس غزوے میں کفار اجتماعی طور پر بھرپور طاقت، پختہ عزم اور عہد و پیمان کے ساتھ آئے تھے۔ اس لئے یہ غزوہ دوسرے تمام غزوات سے زیادہ شدید تھا اس کی شدت کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ہے۔

اِذْ جَآءُ وْكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ

۱۔ ایضاً/ص ۱۳۱، ☆ تفسیر مظہری/ج ۲/ص ۱۴۹، ۲۔ بخار/ج ۳/ص ۲۶۔

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْداً ۝ (۱)

جب وہ تمہارے اوپر کی جانب سے تم پر آئے (بنی اسد اور بنی غطفان وادی کے بالائی جانب سے آئے) اور تمہارے نشیبی جانب سے (مغرب میں بطن وادی سے بنی کنانہ اور قریش اور ان کے ساتھی) اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے (یعنی شدید خوف طاری تھا) اور تم لوگ اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان لیا گیا اور ان کو شدید طریقے سے جھنجھوڑا گیا۔

کفار نے ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ رکھا۔ اس پورے عرصے میں آپ نے استقامت کی لازوال مثال پیش فرمائی۔ یہ آپ ہی کی ثابت قدمی اور استقامت کا اثر تھا کہ کفار کو ناکام ونامراد لوٹنا پڑا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

۱۰۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں (غزوۂ حنین کے موقع پر) ہوازن کی طرف سے جو چیز ہمارے سامنے آئی ایسی چیز تو خدا کی قسم میں نے اس زمانے میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ دشمن کی کثیر تعداد تھی، عورتیں، بچے اور جانور ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے صف بندی اس طرح کی تھی کہ عورتوں کو اونٹوں پر سوار کر کے مردوں کی قطاروں کے پیچھے کر دیا تھا۔ پھر اونٹوں، گایوں اور بکریوں کو ان کے پیچھے جمع کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ بھاگیں کے نہیں۔ دور سے کچھ کالی کالی شباہت نظر آئی ہم سمجھے کہ وہ آدمی ہیں۔ جب ہم علی الصبح وادی سے نشیب میں اترے تو ہماری غفلت کی حالت میں دشمن کے کچھ آدمی وادی کے تنگ راستوں اور گھاٹیوں سے نکل کر ایک شخص کی طرح ایک دم ہم پر ٹوٹ پڑے جس سے بنی سلیم کے اگلے سوار تتر بتر ہو کر بھاگ نکلے۔ ان کے پیچھے اہل مکہ اور ان کے پیچھے دوسرے لوگ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے، کسی نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا اور اتنا غبار اٹھا کہ ہم میں سے کسی کو اپنا ہاتھ بھی سوجھائی نہیں دیتا تھا۔ (۲)

جب لوگ دشمن کے اچانک حملے سے پسپا ہو کر ادھر ادھر منتشر ہونے لگے تو آنحضرت

۱۔ القرآن / سورۂ احزاب / آیت ۱۰، ۱۱، ۲۔ شامی / ج ۵ / ص ۳۲۲، ☆ علی بن برہان الدین حلبی / انسان العیون / بیروت / ج ۳ / ص ۶۲،

صلی اللہ علیہ وسلم برابر آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ تنہا رہ گئے، مگر اس کے باوجود آپ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہے۔(۱)

۱۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ فیاض تھے۔ ایک بار اہل مدینہ خوف زدہ ہوگئے (آواز سنائی دی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور واپس آکر فرمایا ہم نے اس گھوڑے کو دوڑانے میں سمندر کی طرح پایا۔(۲)

۱۲۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب اہل مکہ سے ابتدائی بات چیت کے بعد معاہدہ کی شرائط طے کئے جانے کا مرحلہ آیا اور معاہدہ تحریر کیا جانے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے کے کاتب حضرت علیؓ کو فرمایا کہ لکھو! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ سن کر سہیل بن عمرو جو معاہدہ تحریر ہونے کے وقت اہل مکہ کی نمائندگی کر رہا تھا بول پڑا کہ خدا کی قسم میں رحمٰن کو نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟ آپ بِاسْمِکَ اَللّٰھُمَّ لکھوایئے، جیسے پہلے لکھواتے تھے۔ یہ سن کر مسلمان کہنے لگے کہ ہم بسم اللہ کے سوا کچھ نہیں لکھیں گے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بِاسْمِکَ اَللّٰھُمَّ ہی لکھدو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ لکھو یہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے۔ یہ سن کر سہیل بن عمرو پھر بول اٹھا کہ آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھوائیں اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو بیت اللہ جانے سے کیوں روکتے اور آپ سے قتال کیوں کرتے؟ آپ محمد بن عبداللہ لکھوایئے۔ اس پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کے غصے اور ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم میری تکذیب کرتے ہو اور پھر فرمایا کہ چلو محمد بن عبداللہ ہی لکھدو۔(۳) اسی طرح اس کے بعد بھی اہل مکہ کی طرف سے جو شرائط پیش کی گئی وہ بھی بظاہر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں اگرچہ ان کے نتائج دوررس اور مسلمانوں کے حق میں تھے مگر مسلمانوں میں ان شرائط پر نہایت غم وغصہ اور اضطراب تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑے مقصد

۱۔ شامی جلد ۵، صفحہ ۳۲۵، ۲۔ بخاری /ج ۲/ ص ۹۵، ۳۔ بخاری /ج ۲/ ص ۸۲، ☆مسند احمد /ج ۵/ ص ۴۳۳،

کے پیش نظر اس کو بھی برداشت کیا اور تحمل واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہل مکہ کو کوئی ایسا موقع نہ دیا جس کو بہانہ بنا کر ان کے لئے معاہدے سے فرار اختیار کرنا ممکن ہوتا اور یہ آپ کی استقامت ہی کا نتیجہ تھا کہ چند سال پیشتر جو مذہب اپنے گھر میں اجنبی تھا وہ دیکھتے ہی دیکھتے پورے جزیرۃ العرب میں پھیل گیا۔

مذکورہ بالا گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ صبر واستقامت کے بے شمار فوائد ہیں۔ اس سے جہاں انسان بے شمار برائیوں مثلاً ناشکری، عدم توکل وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے وہیں وہ ہمت واستقلال، اعتماد وخودداری اور قناعت وغنائے قلب جیسے عمدہ اخلاق سے بھی متصف ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ومقبول بندہ بن کر دونوں جہان کی سعادتوں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

صبر واستقامت بلندئ درجات کا وسیلہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو جب اپنے فضل وکرم سے بلند مرتبہ عطا کرنا چاہتا ہے تو انہیں مشکل حالات سے دوچار کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہ بندے مصائب ومشکلات پر ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں جس کے نتیجے میں انہیں اعلیٰ مراتب عطا ہوتے ہیں۔ پس کسی انسان پر مصائب ومشکلات کا ہجوم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس بندے کے لئے خیر وبرکت کی راہیں کھل رہی ہیں، اس کی ترقی کا راستہ ہموار ہو گیا ہے اور اس کے درجات بلند کئے جا رہے ہیں۔ اس لئے ایسے مواقع پر انسان کو آہ وبکا، ناشکری، اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی، اضطرار شکوہ وشکایت، بیقراری، جلد بازی اور بے صبری وغیرہ سے کامل اجتناب کرتے ہوئے نہایت صبر وسکون اور استقامت کے ساتھ مصائب ومشکلات کو برداشت کرنا چاہئے۔

کبھی کبھی انسان پر مصائب اس لئے بھی آتے ہیں کہ کہیں مومن بندہ دنیا اور اس کی رنگینیوں میں الجھ کر اللہ تعالیٰ کو نہ بھول جائے اور اسباب زیست کی فراوانی دیکھ کر اپنے مقام وانجام سے بے خبر نہ ہو جائے اور اس حد تک دنیا کے مکر وفریب میں نہ پھنس جائے کہ پھر اسی کا ہو کر رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آلام ومصائب پر صبر واستقامت کے ساتھ ثابت قدم رہنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائے۔

❁ ❁ ❁

معاشی بدحالی، اخلاقی پستی، سیاسی افراتفری، اسلامی تعلیمات سے بے اعتنائی، غلط اعتقادات اور توہم پرستی کے سبب آج پورا معاشرہ بدامنی، بے سکونی، عدمِ برداشت، ذہنی انتشار اور گونہ گوں مصائب وپریشانیوں سے دوچار ہے۔

ہماری عام حالت یہی ہے کہ کسی گھر میں پے در پے کچھ اموات ہو جائیں، یا چند اشخاص یکے بعد دیگرے یا ایک ہی وقت میں بیمار پڑ جائیں یا کاروبار میں نقصان یا مندی قدرے طول پکڑ جائے یا جائداد کے لین دین میں کچھ تعطل پیدا ہو جائے یا دفتری یا دیگر معاملات ذرا دگرگوں ہو جائیں تو صبر و تحمل سے کام لینے کی بجائے سب سے پہلے ذہن سحر و سفلی کی طرف جاتا ہے۔ غریب وافلاس زدہ، اور جاہل و کم تعلیم یافتہ لوگوں کو تو چھوڑیئے، اچھے خاصے پڑھے لکھے، معقول اور مالی اعتبار سے بہتر پوزیشن والے بھی اس توہم پرستی اور اعتقادی کمزوری کا شکار ہیں، بلکہ بعض بڑے بڑے علما بھی اس میں مبتلا پائے گئے ہیں۔ یہ سوچ اور طرز عمل صحیح نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا گفتگو میں متعدد قرآنی آیات اور احادیث سے ظاہر ہے۔ اس طرح مصائب و پریشانیاں کم نہیں ہوتیں بلکہ بڑھتی ہیں۔

اگرچہ سحر و سفلی سے انکار نہیں اور بعض لوگ تو اپنے آپ کو اسی کام کے لئے وقف کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ یوں بھی ایسے لوگوں کی کوششیں عموماً بار آور نہیں ہوتیں، الا یہ کہ جب آدمی کا اللہ تعالیٰ پر اعتقاد اور یقین کمزور پڑ جائے تو سحر و سفلی وغیرہ اس پر اثر انداز ہونے لگتے ہیں ورنہ جو شخص پاک و صاف رہتا ہو، نماز پابندی سے ادا کرتا ہو، صدقہ و خیرات کرتا رہتا ہو، قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر اذکار میں اپنا کچھ وقت گزارتا ہو اور اس بات کا پختہ یقین رکھتا ہو کہ ہر قسم کا نفع و نقصان، بیماری و تندرستی، ناداری و خوشحالی، موت و حیات اور رنج و مصیبت سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ایسے شخص پر سحر و سفلی اثر انداز نہیں ہوتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شعبہ زندگی کے لئے نہایت عمدہ اور آسان نمونۂ عمل چھوڑا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو اسوۂ حسنہ کہا ہے۔(۱) اس پر عمل کر کے ہم دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے صبر و استقامت کی تفسیر و تشریح میں جو چند واقعات بیان کئے گئے ہیں اپنی تمام مشکلات اور مصیبتوں میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے نہایت صبر و استقلال سے کام لینا چاہئے۔ بے صبری اور واویلا کرنے سے نہ تو کسی قسم کا رنج والم دور ہوتا ہے اور نہ تلف شدہ جان واپس آتی ہے اور نہ مالی خسارہ اور دیگر پریشانیاں دور ہوتی ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہو کر رہتی ہے اس لئے ایسے مواقع پر صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر اپنے اجر و ثواب کو کیوں ضائع کیا جائے۔ ❀

۱۔ سورۂ احزاب، آیت ۲۱،